سورة الھمزة

کی

نفسیاتی تفسیر

The Psychological Exegesis of Surah Al-Humazah

خواجہ نعمان نیر کلاچوی

سورة الهمزة

کی

نفسیاتی تفسیر

A Psychological Exegesis of Surah Al-humazah

نعمان نیرؔ کلاچوی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتابچہ	سورۃ الھمزۃ کی نفسیاتی تفسیر
مفسّر	نعمان نیرؔ کلاچوی
ناشر	مرشد پبلی کیشنز، کلاچی، ڈیرہ اسماعیل خان
پی ڈی ایف ایڈیشن	جولائی، 2025

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
5	مقدمہ	1
7	شانِ نزول	2
8	بامحاورہ ترجمہ	3
10	مضامین سورہ	4
19	آیت اوّل کی تفسیر	5
21	آیت دوم کی تفسیر	6
25	آیت سوم کی تفسیر	7
26	آیات چہارم اور پنجم کی تفسیر	8
28	آیات ششم اور ہفتم کی تفسیر	9
29	آیات ہشتم اور نہم کی تفسیر	10

مقدمہ

ایک طویل عرصہ سے یہ فکری و روحانی خواہش رہی ہے کہ کسی دن قرآن کریم کی سورہ الھمز ہ کی علمِ نفسیات کی رُو سے تفسیر کی جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کبھی جسمانی اضمحلال تو کبھی روحانی انقباض گویا جب کبھی اِرادہ کیا تو کوئی نہ کوئی وقتی مصیبت سامنے آن کھڑی ہوئی۔ بہرحال اب خدا خدا کر کے اِس کارِ خیر کیلئے قلم اُٹھا چکا ہوں، پس اب جو ہو، سو ہو، اِسے تو اب مکمل کر کے ہی دَم لینا ہے۔ انشاءاللہ الکریم۔

سورہ الھمز ہ کوئی عام سورہ نہیں ہے۔ ویسے تو پورا قرآن ہی خاص ہے مگر قرآن کریم کی بعض سورتیں اِس ڈھنگ سے انسانی نفسیات کی تہہ میں چھپی گِرہیں کھولتی ہیں کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ آج کے جدید زمانے میں بھی چودہ سو سال پہلے کی الہامی تنبیہات کس قدر بامعنیٰ اور مؤثر ہیں۔ یعنی وہ تمام تر اخلاقی برائیاں اور نفسیاتی اُلجھنیں جنہیں ہم جدید اصطلاح میں Confusions کہتے ہیں کیسے قرآن نہ صرف اِن کی نشاندہی کرتا ہے بلکہ اِن سے بچنے کی خاص تلقین بھی کرتا ہے۔ ویسے تو پورا قرآن ہی اَدبی و نفسیاتی لحاظ سے انتہائی معنیٰ خیز اور دلچسپ ہے مگر قرآن کی یہ مذکورہ سورہ مجھے بے حد پسند ہے اور منطق کی کوئی بھی کسوٹی اِسے کم از کم کسی انسانی غور و فکر کا نتیجہ تو نہیں ٹھہرا سکتی۔ پس یہی اعجاز ہے قرآن کا آج کے اِس جدید مگر ایمان سے تہی دَور میں۔ مجھے یہ دعویٰ کرنے میں ذرا برابر بھی کوئی منطقی تردّد نہیں کہ قرآن انسانی شعور کا واحد تزکیہ ہے۔

سورہ الھمز ہ کا ہر ایک لفظ ایک زبردست تنبیہِ الٰہیٰ لئے ہوئے ہے اور یہ ایسی تنبیہات ہیں کہ جن پر ایک ایسا شخص بھی عمل کر سکتا ہے جس کا ایمان یا عقائد سے کوئی تعلق نہیں، گویا مذکورہ

سورہ عالمگیر سنہری اخلاقی اُصولوں کا وہ فقید المثل گلدستہ ہے جو ہمیں دنیا کی کسی بھی مذہبی یا حکمتِ عامہ پر مبنی کتاب میں نہیں مل سکتا۔ بخدا یہ ناروا مبالغہ نہیں بلکہ زبردست مشاہدات اور تجربات کی بنیاد پر قائم کیا گیا ایک ناقابل تردید استدلال ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اِس وقت اُردو اور عربی کی کوئی ایک درجن سے زائد تفاسیر میرے سامنے پڑی ہیں جن میں سورہ الھمزہ کی تفسیر موجود ہے مگر کسی ایک تفسیر میں بھی وہ خاص نفسیاتی اسرار و رموز موجود نہیں جو فقیر پر چند سالوں سے مسلسل منکشف ہو رہے ہیں۔ تفاسیر کے اِس قدر معتبر و مؤثر مجموعہ کے باوجود بھی فقیر قلم اُٹھا رہا ہے تو اِس اَمر کا فیصلہ آپ ہی نے کرنا ہے کہ آخر ایسا کیا ہے جو صاحب کشّاف (امام زمخشری) اور صاحب مفاتیح (امام رازی) ہمارے سامنے نہ رکھ سکے۔

فقیر

نعمان نیئر کلاچوی

28، اپریل، 2024

☆☆☆☆☆

شانِ نزول

سورہ الھمزہ ایک مکی سورت ہے یعنی یہ سورت ہجرت سے قبل رسالتمآب صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر مکہ میں نازل ہوئی۔ مذکورہ سورت ترتیب عثمانی کی رُو سے ایک سو چار جبکہ ترتیب نزولی کے حساب سے قرآن کی یہ بتیس نمبر کی سورت ہے۔ اِس میں کُل نو آیات اور ایک رکوع ہے جبکہ تینتیس الفاظ اور ایک سو چونتیس حروف ہیں۔

مفسّرین کی ایک جماعت نے کہا کہ یہ سورہ ولید بن مغیرہ کے بارے نازل ہوئی جو رسالتمآب صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے پسِ پُشت چغل خوری کیا کرتا اور آپ کے سامنے طعن و تشنیع سے کام لیتا۔ تفسیرِ ابن عباس کے مطابق ابن ابی حاتم حضرت عثمان ابن عفان اور حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ہم برابر سنتے آئے کہ اِس سورت کی آیات اُبی بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں سدی روایت کرتے ہیں کہ یہ سورہ اخنس بن شریق کے متعلق نازل ہوئی۔ ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں کہ یہ سورہ جمیل بن عامر رُجھی کے بارے نازل ہوئی۔ ابن منذر نے ابن اسحاق سے روایت کی کہ اُمیہ ابن خلف جس وقت آپ کو دیکھتا تو آپ کو طعنہ دیتا تبھی یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔

بہر حال سورت کا مخاطب جو کوئی بھی ہو اور اگر ہم مذکورہ تمام شان ہائے نزول کو قبول بھی کر لیں تب بھی آیات کے مفہوم کی عمومیت ختم نہیں ہوتی بلکہ یہ اُن تمام لوگوں کو شامل ہے جو اِس سورت میں بیان کئے گئے صفات کے حامل ہیں۔

☆☆☆☆☆

بامحاورہ ترجمہ

آیات	نمبر شمار
وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ﴿١﴾	1
ہلاکت ہے چغل خور اور طعنہ زن کے لئے	
الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهُ ﴿٢﴾	2
یہ جو جمع کرتا ہے مال اور پھر اِسے گننے لگتا ہے	
يَحۡسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخۡلَدَهُ ﴿٣﴾	3
گمان کرتا ہے کہ یہ مال اِس کے پاس سدا رہے گا	
كَلَّا ۖ لَيُنۢبَذَنَّ فِي الۡحُطَمَةِ ﴿٤﴾	4
ہرگز نہیں، یہ پھینک دیا جائے گا حُطَمہ میں	
وَمَا أَدۡرَاكَ مَا الۡحُطَمَةُ ﴿٥﴾	5
اور تم کیا جانو کہ حطمہ کیا ہے	
نَارُ اللَّهِ الۡمُوقَدَةُ ﴿٦﴾	6
یہ آگ ہے ربّ کی پس بھڑکتی ہوئی	
الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الۡأَفۡئِدَةِ ﴿٧﴾	7
جو لپیٹ لے گی دِلوں کو	

8	إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ ﴿٨﴾
	سر بمُہر کر دی جائے گی اِن پر
9	فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿٩﴾
	اِس حال میں کہ یہ بلند و بالا ستونوں میں گھِرے ہوں گے

☆☆☆☆☆

مضامین سورہ

نمبر شمار	مضامین
1	کلمہِ ہلاکت
2	طعنہ زنی
3	چغل خوری
4	مال جمع کرنا
5	مال گننا
6	انسان کا گمان
7	مال کا ہمیشہ رہنا
8	مقامِ حُطمہ
9	بھڑکتی آگ
10	دل تک پہنچنا
11	محبوس ہونا
12	سر بمُہر کردینا

☆☆☆☆☆

کلمہ ہلاکت

ویل کی دو معروف تفاسیر ہیں۔ ایک منطقی جو عرب معاشرے میں عام تھی جیسا کہ عموماً کہا جاتا ہے وَیۡلٌ لِفُلان، یعنی تباہی ہو فلاں کے لئے۔ دوسری تفسیر خالص روایتی ہے جس کا مطلب ہے جہنم کا وہ گڑھا جہاں مشرک اور کفّار کو ڈالا جائے گا۔ بہر حال دونوں تفاسیر دنیا اور آخرت میں تباہی پر دلالت کر رہی ہیں۔ گویا تباہی ناگزیر ہے۔

طعنہ زنی

طعنہ جسے اُردو میں پیغور بھی کہا جاتا ہے دراصل انسانی رویے کا انحراف ہے جس کے ذریعے سے انسان کسی دوسرے انسان کا عیب اُس کے منہ پر بیان کر دیتا ہے۔ یہ اَمر بدیہی ہے کہ انسانی معاشرے میں کوئی بھی انسان اخلاقی عیوب سے پاک نہیں ہو سکتا چنانچہ انبیاء کرامؑ اللہ کے خاص فضل سے عام عیوب سے پاک ہوتے ہیں اِس لئے یہ سوچنا کہ کوئی غیر مسلم کیونکر رسالتمآب صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے عیب آپ کے منہ پر بیان کر سکتا ہے مناسب نہیں۔ اِس میں کسی بھی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم عرب معاشرے میں نبوت و رسالت کی ذمہ داری کیلئے منتخب ہونے سے قبل بھی ایک اعلیٰ صفات کے حامل انسان تھے چنانچہ ضروری نہیں کہ لُمَزہ سے مراد صرف عیوب کو منہ سامنے بیان کرنا ہی لیا جائے۔ پس لُمَزہ سے مراد وہ صفات بھی ہو سکتے ہیں جو عموماً عیوب نہ جانے جاتے ہوں۔ مثال کے طور پر اُردو میں ایک عمومی طعنہ ہے کہ تُو تو بس لوگوں کو کھِلاتا

ہی رہتا ہے۔پس کسی کو کچھ کھِلا نا کب عیب کی بات ہے لیکن عیب جُو اِسے اپنے تئیں عیب سمجھ کر مخاطب کو بطورِ طعنہ سنا سکتا ہے۔

چُغل خوری

چغل خوری جسے سرائیکی اور پنجابی زبان میں چُغلی اور اُردو میں چغل خوری کہا جاتا ہے، قرآن اِسے عام عربی اصطلاح **هُمَزہ** سے تعبیر کرتا ہے۔ **هُمَزہ** کوئی ایسی اجنبی اصطلاح نہیں تھی جس سے عرب لوگ ناواقف ہوں۔چغلی یا چغل خوری دراصل ایک اخلاقی اور نفسیاتی برائی ہے۔ یہ ایک خاص نفسیاتی کیفیت ہے جس کا حامل شخص کسی سے صرف اِس لئے گفتگو کرتا ہے تاکہ وہ دوسروں کے بارے میں اُس سے رائے لے اور پھر وہی رائے دوسروں تک پہنچا دے۔چغل خوری ایک انتہائی خطرناک نفسیاتی عارضہ ہے جسے علمِ نفسیات میں Mental Illness کہا جاتا ہے۔اِس کا عادی نہ صرف ذاتی طور پر لوگوں کی ساکھ مجروح کرتا ہے بلکہ پورے معاشرے میں اخلاقی بگاڑ کا سبب بن جاتا ہے۔

مال جمع کرنا

قرآن بغیر کسی لگی لپٹی کے سیدھی طرح مال جمع کرنے کو دنیا و آخرت کی تباہی بتا رہا ہے۔ معاملہ یہ ہے کہ اب بہت سارے علماء بھی اسلامی شریعت میں مال جمع کرنے کو قبیح نہیں سمجھتے اور ذاتی ملکیت کو مستحسن سمجھتے ہیں حالانکہ مذکورہ آیت مبارکہ میں مال جمع کرنے کو دنیا و

آخرت کی تباہی کا موجب بتایا گیا ہے اور یہ کیوں ایسا ہوا کیونکہ ایک عام معاشی قاعدہ ہے کہ ضرورت سے بہت زیادہ مال بغیر اخلاقی جرم کے جمع نہیں ہوتا۔اب وہ اخلاقی جرم بھلے عمومی انحراف پر کیوں نہ مبنی ہو جیسے ناپ تول میں کمی یا کسی پر اپنا مال بیچنے کیلئے غلط بیانی سے کام لینا وغیرہ۔

عام معاشی اُصول ہے کہ انسان جس قدر بھی سخت محنت کیوں نہ کر لے وہ ہمیشہ مناسب اُجرت ہی کا مستحق ٹھہرتا ہے اور مناسب اُجرت سے کسی بھی زمانے اور کسی بھی معاشرے میں کوئی مالدار نہیں بن سکتا چنانچہ جب تک معاشی بے قاعدگی کا ارتکاب نہ کیا جائے ڈھیر سارا مال جمع کیا ہی نہیں جا سکتا۔ ہم اِس صورتحال کا جائزہ بہت آرام سے اپنے اور دیگر مغربی معاشروں میں لے سکتے ہیں کہ کس طرح ایک مالدار صرف پیسے اور اپنے مال کی بنیاد پر مزید پیسہ اور مال بناتا جا رہا ہے اور لاکھوں کروڑوں انسان بھوکوں مر رہے ہیں۔

مال جمع کرنے کے صرف دو ہی طریقے ہیں۔ایک معاشی بے قاعدگی، دوسرا کسی دوسرے انسان کا بے دریغ استحصال۔علاوہ ازیں انسان صرف اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ پالنے کے قابل ہو جائے تو یہ غنیمت ہے۔سورہ الھمزہ کی مذکورہ آیت دراصل سرمایہ دارانہ نظام یعنی Capitalism کے سَر پر ایک کاری ضرب ہے لیکن نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے جید علماء بھی آج اِس قبیح اور انسانیت سوز نظام کے آلہِ کار بن کر قرآن کی واضح اور دوٹوک آیات کی تاویل کرنے لگے ہیں۔

مال گننا

قرآن نہ صرف مال جمع کرنے کو تباہی کا سبب بتا رہا ہے بلکہ ساتھ ہی مالدار کی اُس نفسیاتی کیفیت کو بھی ہلاکت کا مؤجب بتا رہا ہے جو انسان پر مال جمع کرنے کے بعد طاری ہو جاتی ہے۔ قرآن میں مال جمع کرنا فی نفسہٖ تباہی ہے پس اِس میں کوئی بھی تاویل کارگر ثابت نہیں ہو سکتی کہ اگر کوئی عالم چاہے تو اِس کو من پسند منطق میں بیان کر دے۔ جس طرح مال جمع کرنا خود ایک نفسیاتی بیماری حرماں نصیبی یعنی Deprivation کو ظاہر کرتی ہے اِسی طرح مال کو گننا بھی ایک نفسیاتی مرض ہے۔ مالدار جب بہت سارا مال جمع کر لیتا ہے تو اُسے نفسیاتی طور پر یہ خوف لاحق ہو جاتا ہے کہ کہیں اُس سے یہ مال کوئی غصب نہ کر لے اِس لئے وہ بار بار مال کا حساب کتاب یعنی Counting رکھتا ہے تاکہ اُسے ذہنی طور پر تسلی رہے کہ اُس کا مال اُس کے قبضے میں ہے۔

انسان کا گمان

سورہ مذکورہ میں اصطلاح یحسب آئی ہے جس کے معنیٰ انسان کے گمان کرنے کے ہیں۔ لغوی مطلب ہے وہ گمان کرتا ہے۔ گمان دراصل انسان کی وہ خالص نفسیاتی کیفیت ہے جس کے ذریعے وہ ذہنی طور پر مستقبل کیلئے ایک لائحہِ عمل تیار کر لیتا ہے جو حقیقت سے کوسوں دور ہوتا ہے۔ یہ گمان دراصل گمان نہیں بلکہ یقین کی صورت اختیار کر لیتا ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ صرف ایک گمان ہی ہوتا ہے۔ یقین کی صورت اختیار کئے ہوئے یہ گمان کیا ہے،

اگلے مضمون میں ملاحظہ فرمائیں۔

مال کا ہمیشہ رہنا

یہ ہے وہ گمان جو یقین کی صورت اختیار کر چکا ہے کہ میرا مال ہمیشہ میرے پاس رہے گا۔ یہ بھی ایک نفسیاتی کیفیت ہے کہ جب انسان ڈھیر سارا مال جمع کر لیتا ہے تو اب ذہنی طور پر اُسے یہ فکر کھائے جا رہی ہوتی ہے کہ کہیں مَیں اِس مال کو کھو نہ دوں بلکہ یہ ہمیشہ میرے پاس رہنا چاہئے۔ اِس کیفیت میں صرف ایک مالدار ہی مبتلا ہو سکتا ہے ورنہ جس کے پاس پھوٹی کوڑی نہیں اُسے کیا اندیشہ۔ یہ اندیشہ کس قدر جان گسل ہے کہ انسان ایک پل چین سے نہیں بیٹھ سکتا کہ مبادا کوئی میرا مال مجھ سے چھین نہ لے۔ یہ وہ مال ہے جس کی بنیاد پر مَیں نے معاشرے میں لوگوں پر ایک نفسیاتی دباؤ بنائے رکھا ہے پس یہ دباؤ قائم رہنا چاہئے اور یہ تبھی ممکن ہو سکتا جب مال ہمیشہ پاس رہے۔

مقامِ حُطمہ

اب یہ قرآنی اصطلاح ہے دراصل حاصلِ کلام۔

حطمہ کے متعلق عام روایت یہی ہے کہ یہ جہنم میں ایک کنویں کا نام ہے لیکن یہ تو ہو گئی آخرت کی ہلاکت جبکہ دنیا میں حطمہ ایک نفسیاتی کیفیت ہے جس میں مبتلا ہو کر انسان گوناگوں اندیشوں میں گِھر جاتا ہے۔ حطمہ ایک ایسی اصطلاح کہ جس سے عرب لوگ واقف نہیں تھے

ورنہ قرآن کی زبان وہ بالکل سادہ عربی ہے جس کے متعلق قرآن ہی کا دعویٰ ہے کہ اِسے شمالی وجنوبی عرب کا عربی بولنے والا کوئی بھی باشندہ آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ حطمہ کے متعلق اگلی آیت میں سوالیہ تصریح ہے کہ تم کیا جانو کہ حطمہ کیا ہے؟، یعنی عرب اِس اصطلاح سے واقف نہیں تھے ورنہ قرآن استفہامیہ صیغہ ہرگز استعمال نہ کرتا۔

یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ حطمہ دراصل ایک نفسیاتی بحران ہے جس کا شکار وہ لوگ ہوجاتے ہیں جو ڈھیر سارا مال جمع کر لیتے ہیں۔ پس مال کی محبت اُنہیں سکون سے جینے نہیں دیتی بلکہ اُنہیں ہر وقت اِس جاں گسل اندیشے میں مبتلا رکھتی ہے کہ کہیں ہمارا یہ جمع کردہ مال کوئی غصب نہ کرلے۔ اِسے کوئی ہم سے دور نہ کردے پس اِسی ذہنی اذیت کا نام حطمہ ہے اور جسے مَیں ایک نفسیاتی اصطلاح Loss Aversion سے تعبیر کرتا ہوں کہ سرمایہ دار اپنے سرمایہ کی حفاظت اور اِس کے دوام کیلئے جس ذہنی اذیت کا شکار ہوتا ہے اُسے قرآن نے حطمہ کہا ہے۔ چنانچہ Loss Aversion کا مطلب یہ ہے کہ مال جمع کرنے والا مال جمع کرتا رہتا ہے لیکن ساتھ ہی اُسے مال کے کھوجانے اور خسارہ کا شدید خوف رہتا ہے کہ کہیں میرا یہ مال نقصان کی نذر نہ ہوجائے۔ پس یہ دنیاوی حطمہ ہے۔

بھڑکتی آگ

بھڑکتی آگ کی دو تعبیرات ممکن ہیں۔ ایک سادہ تعبیر جس کا تعلق آخرت سے ہے یعنی جہنم میں جس کنویں کو حطمہ کہا گیا اُس میں آگ بھڑک رہی ہے اور طعنہ زن، چغل خور اور مال جمع کرنے والا اِس میں پھینک دیا جائے گا۔ دوسری تعبیر نفسیاتی ہے۔ بھڑکتی آگ سے مراد

مسلسل ذہنی اذیت ہے جسے علمِ نفسیات میں Anxiety کہا جاتا ہے۔ یعنی جو شخص مال جمع کرلیتا ہے اُسے اِس مال کی کھو جانے کی فکر لاحق رہتی ہے۔ مقامِ حطمہ میں اِس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

دل تک پہنچنا

قرآن میں اصطلاح اَفئدہ استعمال ہوئی ہے اور یہ فواد یعنی دل کی جمع ہے۔ پرانے زمانے میں جب علمِ نفسیات یعنی Psychology نے باقاعدہ علم کی شکل اختیار نہیں کی تھی تو انسان سمجھتا تھا کہ انسان کے سوچنے سمجھنے اور پریشانی واذیت کا مقام دل ہے۔ علمِ نفسیات کی ترقی کے بعد یہ نسبت دل سے دماغ یعنی Mind کی طرف آ گئی۔ چونکہ قرآن ایسے لوگوں سے مخاطب ہے جو سوچنے سمجھنے کا مقام فواد یعنی دل سمجھتے تھے اِس لئے قرآن نے یہی اصطلاح استعمال کی۔ ذکر ہے کہ یہ بھڑکتی ہوئی آگ دلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ مقامِ شکر ہے کہ قرآن نے میری یہ اُداسی دور کردی کہ حطمہ سے مراد ذہنی کیفیت کہیں تاویل نہ بن جائے۔ اصطلاح اَفئدہ نے میری یہ اُداسی دور کردی۔ پس اب یہ ثابت ہوگیا ہے کہ حطمہ وہ دِلّی یا ذہنی کیفیت ہے جو آگ کی طرح بھڑک رہی ہے۔

محبوس ہونا

محبوس ہونے کا ایک سادہ مطلب تو یہی ہے کہ حطمہ یعنی جہنم کے کنویں میں قید کر دیا جانا جبکہ دوسرا مطلب نفسیاتی ہے یعنی حطمہ جو ایک ذہنی اذیت ہے اِس میں مال جمع کرنے والوں کو اِس طرح مبتلا کر دیا جائے گا کہ پھر یہ اُس سے نکل نہیں پائیں گے۔ نکل نہ پانے کا حال آخری آیت میں ہے۔

سر بمُہر کر دینا

یہ بالکل ایسے ہے کہ جیسے ہم کسی شخص کو ایک گہرے کنویں میں دھکا دے کر اُو پر لوہے کا ڈھکن رکھ کر اِس کے سوراخ کو بند کر دیں تا کہ وہ اگر باہر نکلنے کی کوشش بھی کرے تو باہر نہ نکل سکے۔ یہ وہی نفسیاتی کیفیت یعنی Anxiety ہے جس کا شکار شخص پھر اِس سے نجات نہیں حاصل کر سکتا چاہے جتنے جتن کر لے۔

☆☆☆☆☆

آیت اوّل کی تفسیر

سورہ ھمزہ کے شانِ نزول کے متعلق تفصیل دوسرے باب میں گزر چکی ہے چنانچہ یہاں پر صرف آیات کی تفسیر بیان کی جائے گی۔

سورت کی ابتداء اصطلاح ویل سے ہوتی ہے جس کے لغوی اور اصطلاحی معانی بیان ہو چکے ہیں۔پس ارشاد ہے کہ ہلاکت ہے طعنہ زنی کرنے والے اور چغل خور کیلئے۔شانِ نزول کے ضمن میں یہ تفصیل گزر چکی کہ یہ کون لوگ تھے جو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو منہ پر طعنہ دیتے اور پیٹھ پیچھے چغل خوری کیا کرتے۔پس وہ جو کوئی بھی تھے بہرحال مدعا طعنہ زنی اور چغل خوری کی شدید ممانعت ہے۔آیت کا شانِ نزول عمومیت سے متصادم نہیں ہے یعنی ایسا نہیں کہ طعنہ زنی اور چغل خوری ایک مشرک اور منافق کیلئے تو شدید وعید کا سبب بنے اور مؤمنین کیلئے اِس میں کوئی قباحت نہ ہو۔قطعاً ایسا نہیں بلکہ جو قبیح افعال مشرک اور منافق رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دور میں کئے کرتے اُن قبیح افعال سے تو خصوصیت سے مؤمنین کو بچنا تھا اور اِن سے گریز صرف رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے تک خاص نہیں بلکہ رہتی دنیا تک قائم ہے۔پس ہر مومن کو طعنہ زنی اور چغل خوری جیسی انتہائی قبیح افعال سے بہرصورت بچنا ہے۔

طعنہ زنی اور چغل خوری ایسی شدید ترین اخلاقی برائیاں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اِنہیں دنیا و آخرت کی ہلاکت کا مؤجب بتایا ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں یہ اخلاقی برائیاں ایک وبا کی صورت اختیار کر چکی ہیں بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ طعنہ زنی کو ہم بہادری اور چغل خوری ہم گپ یعنی Gossip سمجھنے لگے ہیں۔

بچوں کو ہم دن میں پانچ بار نماز پڑھنے اور درسِ قرآن کیلئے مسجد بھیجنے کا فریضہ تو سرانجام دے رہے ہیں لیکن سو میں سے کسی ایک ماں یا باپ کو یہ توفیق نہیں ملتی کہ وہ شام کے وقت اپنے بچوں کو اپنے سامنے بٹھا کر اُن سے یہ پوچھ لیں کہ بیٹا آج کے دن آپ نے کسی کی چغلی تو نہیں کی ۔کسی دوست یا جاننے والے کے منہ پر اُسے بُرا بھلا تو نہیں کہا۔

حقیقت یہ ہے کہ مَیں نے آج تک کسی ماں کو اپنے بچوں کو یہ نصیحت کرتے ہوئے نہیں سنا کہ بیٹا طعنہ زنی اور چغل خوری اللہ کی کتاب میں ہلاکت کا سبب ہیں اِس لئے اِن سے ہمیشہ بچتے رہنا۔طعنہ زنی اور چغل خوری بظاہر تو نہایت عام اخلاقی برائیاں معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں یہ شدید نوعیت کی نفسیاتی بیماریاں ہیں اور اگر بچپن میں اِن کی لَت پڑ جائے تو پھر انسان پوری زندگی صرف شُغل لگانے کیلئے چغل خوری کرتا رہتا ہے۔

چغل خوری کیا ہے؟ یعنی کسی ایک کی بات مسالے لگا لگا کر دوسرے کو اِس غرض سے بتانا کہ وہ بھڑک اُٹھے۔ابتداء میں یہ کام صرف چسکے لینے کیلئے کیا جاتا ہے بعد میں یہ عادت بن کر ایک نفسیاتی بیماری بن جاتی ہے جس سے پھر چھٹکارا حاصل کرنا آسان نہیں رہتا اِس لئے یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے اخلاق کا مسلسل تجزیہ کرتا رہے اور ایسے تمام گناہوں سے بچتا رہے جو اُس کی دنیا و آخرت کی تباہی کا مؤجب بن جائیں۔

☆☆☆☆☆

آیت دوم کی تفسیر

جس طرح طعنہ زنی اور چغل خوری شدید اخلاقی برائیاں ہیں اِسی طرح مال جمع کرنا بھی ایک اخلاقی برائی ہے۔ یہ بھی طعنہ زنی اور چغل خوری کی طرح انسان کیلئے دنیا و آخرت میں ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے۔

عام مسلم ذہنیت تو یہی ہے کہ مال جمع کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے اور شریعت نے اِس سلسلے میں کوئی مناہی نہیں کی لیکن حقیقت اِس کے بالکل برعکس ہے۔ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آخری زمانے میں والیِ عرب ہونے کے باوجود بھی صاحبِ مال نہیں تھے بلکہ آپ نے اپنے بعد جو کچھ تھوڑا بہت ترکہ چھوڑا وہ برائے نام ہی تھا۔ آیت مذکورہ میں واضح الفاظ میں مال جمع کرنے کو ہلاکت کا سبب بتایا گیا چنانچہ اِس میں کسی بھی قسم کی تشبیہ یا تاویل کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔

ہمارے کچھ معتبر علماء کا یہ خیال ہے کہ اسلام نے مال جمع کرنے پر کوئی پابندی نہیں لگائی بلکہ ایک مسلمان جتنا چاہے مال جمع کرسکتا ہے حالانکہ زائد مال رکھنے کے ضمن میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر دوسو اُنیس میں ایک شدید تنبیہ وارد ہوئی ہے کہ زائد مال جمع نہیں کیا جا سکتا چنانچہ ارشاد ہے کہ* وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ *" اے رسول! آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟، فرما دیجئے کہ ضرورت سے زائد" غور کریں یہ کون لوگ تھے جو آپ سے پوچھ رہے تھے، یقیناً یہ صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کی جماعت تھی جو آپ سے مال خرچ کرنے کے بارے میں دینی رہنمائی لے رہی تھی۔

عفوا ایسے مال کو کہتے ہیں جو استعمال میں نہ ہو یعنی زائد مال۔ پس یہی منشاء ہے سورہ ھمزہ کی

آیت دوم کا بھی کہ ضرورت سے زائد مال جمع کرنے والے کا ٹھکانہ ویل ہے۔

ضرورت سے زائد مال جمع کرنا نہ صرف ایک اخلاقی برائی ہے بلکہ یہ ایک بدترین نفسیاتی بیماری بھی ہے یعنی مال جمع کرنے والے کے سامنے اگر کوئی حد نہ ہو تو بتائیں کہ وہ کہاں جا کر رُکے گا؟ یعنی اُس کے بس میں ہو تو پوری دنیا کے وسائل پر قبضہ کر لے اور پھر بھی چین سے نہ بیٹھے حتیٰ کہ موت اُسے آ گھیرے۔ پس یہی مراد ہے سورہ التکاثر کی پہلی دو آیات کا کہ

* أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿١﴾ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿٢﴾ * "یعنی باولے ہو گئے ہو تم لوگ مال جمع کرتے کرتے حتیٰ کہ قبر تک پہنچ گئے۔" غور کریں یہ کون لوگ تھے جو مال جمع کرتے کرتے اِس حد تک پاگل ہو گئے تھے کہ موت سے قبل وہ اِس بیماری سے چھٹکارا ہی نہ پا سکے حتیٰ کہ موت ہی اِن کا علاج ثابت ہوئی۔ پس مال جمع کرنا ایسی عام برائی نہیں ہے کہ انسان اِسے اختیار کرنے کے بعد کسی دن اچانک سے اِس سے چھٹکارا حاصل کر لے بلکہ یہ ایک ایسی مصیبت ہے کہ انسان مرنے سے قبل تک اِس سے جان نہیں چھڑا سکتا۔ یہ تو ہو گئی انفرادی تباہی۔

اب آ جائیے مال جمع کرنے سے پیدا ہونے والے ایک لامحدود معاشرتی بگاڑ کی جانب۔

اگر ہم ہر انسان کو مال جمع کرنے کی کھلی چھٹی دے دیں تو سوچیں ہم میں سے کون ایسا ہے جو نفسیاتی طور پر مال جمع کرنے میں دلچسپی نہیں لیتا، اب صورت کیا بنے گی؟۔ یہی کہ مال جمع کرنے کی دوڑ میں بہت سارے پیچھے رہ جائیں گے اور چند ایک بہت آگے نکل جائیں گے اور یہی چند ایک پھر ہر قسم کے وسائل پر قبضہ بھی کر لیں گے۔ پس یہی قبضہ اِنہیں ایک دن اِس قدر طاقتور بنا دے گا کہ وہ پوری دنیا کی قسمت کا فیصلہ کرنے نکل پڑیں گے۔ دراصل یہی ہے اصل فرعونیت و قارونیت۔ ایک بات ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ معاشرے

میں جب تک معاشی استحکام نہیں ہو گا تب تک معاشرے میں اخلاقی برائیوں کا خاتمہ نہیں ہو سکتا پس یہ ایک اٹل خدائی اُصول ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ایسا قانون کیونکر لاگو کرسکتا ہے جس سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو؟ اِس لئے یہ کہنا کہ غریب کو غریب اور امیر کو امیر خدا نے پیدا کیا ہے خدا کے قانون کی خلاف ورزی ہے بلکہ غربت تو خدا کا عذاب ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر اکسٹھ میں ارشاد ہے۔* وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡكَنَةُ * اور خدا نے اُن پر مسلط کر دی ذلالت و معاشی بدحالی۔ یہ کون لوگ تھے جن پر خدا نے بطورِ عذاب ذلت و غربت مسلط کر دی۔ یہ دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل تھی جنہوں نے خدا کے قوانین کی خلاف ورزی کی تو خدا نے اِن پر بطورِ عذاب غربت و ذلالت مسلط کر دی۔ مَسکنہ عربی زبان میں لگے لگائے کاروبار کے ختم ہو جانے کو کہتے ہیں پس اِسی سے اصطلاح مسکین بھی استعمال ہوتی ہے یعنی ایک ایسا شخص جس کا لگا بندھا کاروبار ختم ہو چکا ہو اور وہ گھر میں خالی ہاتھ لیکر بیٹھ جائے۔ پس جس طرح مال جمع کرنا ہلاکت کا مؤجب ہے بالکل اِسی طرح غربت و افلاس بھی خدا کا عذاب ہے۔

اسلام ایک جہدِ مسلسل ہے دنیا و آخرت کیلئے۔ دنیا میں کسی ایک نبی نے بھی اپنی پوری زندگی میں کوئی ایک جنگ بھی نہیں لڑی لیکن رسالتمآب صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو صرف تیئس سالوں میں ستائیس جنگیں لڑنا پڑیں یعنی آپ اِن تیئس سالوں میں دس ماہ بھی سکون سے نہ بیٹھ سکے جبکہ ہم لوگ ماربلیٹ مسجد میں ایئر کنڈیشنر کے سامنے بیٹھ کر دن رات لوگوں کو اسلام کی حقانیت بتا رہے ہوتے ہیں۔

یاد رہے کہ اسلام اپنی ضروریات پوری کرنے سے نہیں روکتا لیکن اسلام ضرورت سے زائد مال وثروت جمع کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتا بلکہ اِسے دنیا و آخرت کیلئے زبردست ہلاکت

کا سبب بتاتا ہے۔ چنانچہ اسلام ایک زبردست معاشی توازن پیدا کرتا ہے کہ ایک طرف غربت کو عذاب کہتا ہے تو دوسری طرف ضرورت سے زائد مال جمع کرنے کو ہلاکت کا مؤجب بتاتا ہے۔ پس آج اگر دنیا میں حقیقی طور پر اسلام کا معاشی نظم قائم ہو جائے تو دنیا سرمایہ دارانہ نظام کے عذاب سے نجات حاصل کر لے۔

☆☆☆☆☆

آیت سوم کی تفسیر

سورہ مذکورہ کی آیت تین میں ارشاد ہے کہ یہ مال جمع کرنے والا کیا سمجھ بیٹھا ہے کہ اِس کا مال ہمیشہ اِس کے پاس رہے گا؟ قطعاً نہیں۔ یہ تو محض اِس کا گمان ہے کہ اِس کا یہ مال ہمیشہ اِس کے پاس رہے گا۔ پس اِس کا گمان جلد ہی ایک زبردست اذیت میں بدلنے والا ہے۔ آیت کا حکم عمومی ہے یعنی ضروری نہیں کہ ہلاکت صرف ایک مشرک یا منافق کیلئے ہو بلکہ یہ ہلاکت بلا شک و شبہ کسی بھی مسلمان کیلئے بھی ویسی ہی اٹل ہے جیسا کہ ایک مشرک یا منافق کیلئے۔

یہ بھی ایک عجیب نفسیاتی کیفیت ہے کہ ایک مالدار مال جمع کرنے کے بعد سوچتا رہتا ہے کہ اب مجھے کیا فکر۔ اتنا ڈھیر سارا مال مجھ سے کون چھین سکتا ہے پس یہ مال تو ہمیشہ میرے پاس رہے گا، حالانکہ وہ نہیں جانتا کہ نہ تو یہ رہے گا اور نہ ہی اِس کا مال۔ خدا نے آیت مذکورہ میں انسانی نفسیاتی کیفیت کو بیان کیا ہے کہ کس طرح انسان اپنے تئیں یقین پال لیتا ہے جو فی الحقیقت گمان کے سوا کچھ نہیں ہوتا جیسا کہ انسان مال اِس لئے جمع کرتا ہے کہ وہ اِس کی بنیاد پر دیگر انسانوں پر معاشرتی برتری حاصل کرلے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی مال اُس کیلئے وبال بن جاتا ہے۔ سورہ مسد کی آیت دوم میں ارشاد ہے کہ* مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ *یعنی کچھ کام نہ آیا اُس کے جو اُس نے کمایا یعنی اُس کا مال اور برُے اعمال۔ پس انسان کا یقین خدا کے ہاں محض ایک گمان ہے جو جلد ہی ٹوٹ جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

آیات چہارم اور پنجم کی تفسیر

گزشتہ آیت میں ہم جان چکے ہیں کہ انسان کا یقین خدا کے ہاں محض ایک لا حاصل گمان ہے جس کے متعلق خدا نے تصریح کر دی کہ مال جمع کر کے اِس کی مداومت کا یقین کرنے والا نہیں جانتا کہ یہ عنقریب حطمہ میں ڈال دیا جائے گا۔ مضامین کے باب میں حطمہ کی تعریف گزر چکی ہے۔

غور کریں کہ مال جمع کرنا اللہ کے نزدیک کس قدر سنگین جرم ٹھہرا کہ اِس کے حامل کو اللہ تعالیٰ حطمہ میں ڈال رہا ہے۔ جدیدیت کے حامل علماء اِس میں ایک اشکال پیدا کر سکتے ہیں کہ اِس وعید کا مستحق تو ایک خاص مشرک یا منافق تھا جو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دور میں موجود تھا اِس لئے یہ آیت آجکل کے مال جمع کرنے کے عمل کے خلاف نہیں تو اِس اشکال کا سادہ جواب یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک کوئی خاص شخصیت مبغوض نہیں بلکہ اُس شخصیت کا عمل باعثِ غضب ٹھہرا یعنی مال کا جمع کرنا۔

پس مال کرنا جمع فی نفسہٖ موجبِ ہلاکت ہے پھر چاہے اِسے کوئی کافر جمع کرے یا مؤمن، ہر دو صورتوں میں کوئی امتیاز نہیں۔ یہاں یہ واضح رہے کہ مال جمع کرنے سے مراد صرف ضرورت سے زائد مال جمع کرنا ہے۔ ضرورت کے مطابق مال جمع کرنا نہ صرف مستحسن ہے بلکہ یہ معاشی آسودگی کیلئے بھی لابدی ہے جیسا کہ ہم عرض کر چکے کہ غربت و مسکنت خدا کا عذاب ہے اس لئے مال جمع کرنے کی وعید کے ساتھ اِس اَمر کو بھی سمجھنا ضروری ہے کہ قران میں جہاں کہیں بھی مال جمع کرنے کی ممانعت آئی ہے تو اِس سے مراد صرف ضرورت سے زائد مال جمع کرنا ہے نہ کہ ضرورت کے مطابق۔ ضرورت سے زائد مال جمع کرنے کیلئے اللہ نے

جو تباہ کن روحانی و مادی مقام وضع کیا ہے اُسے حطمہ کی تعبیر سے بیان کر دیا۔ اصطلاح حطمہ عربوں کے ہاں یقیناً غیر معروف تھی ورنہ اللہ کو یہ نہ کہنا پڑتا کہ تم کیا جانو کہ حطمہ کیا ہے۔ حطمہ ایک ذہنی کیفیت اور جہنم میں بھڑکتی ہوئی آگ ہے چونکہ حطمہ کی تعریف آپ مضامین کے باب میں پڑھ آئے ہیں اِس لئے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

☆☆☆☆☆

آیات ششم اور ہفتم کی تفسیر

آیات ششم اور ہفتم میں حطمہ کی تصریح کی گئی ہے کہ یہ حطمہ کیا ہے۔پس ارشاد ہوتا ہے کہ یہ نارِ مُوقدہ یعنی بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔بھڑکتی ہوئی آگ کی دو ممکنہ تشریحات ہو سکتی ہیں۔ ایک روحانی آگ جسے نفسیات میں Anxiety کہا جاتا ہے دوسری تشریح حقیقی ہے یعنی جہنم کے گڑھے حطمہ میں بھڑکتی ہوئی آگ۔

واضح رہے کہ آگ کے بھڑکاؤ سے وعید کی شدت معلوم ہو رہی ہے یعنی آگ جب اپنے جوبن پر آتی ہے تو وہ بھڑکنے لگتی ہے۔علاوہ ازیں یہ کوئی معمولی آگ نہیں ہے بلکہ یہ وہ آگ ہے جو دلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔آیت ہفتم میں جمع کا صیغہ اَفئدہ ذکر ہوا ہے جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ کسی مخصوص شخصیت کی بات نہیں ہو رہی بلکہ ہر وہ شخص جو مذکورہ جرائم کا ارتکاب کرے گا اُس کا ٹھکانہ حطمہ ہی ہوگا۔

آگ کا دلوں تک پہنچنا عام طور پر ایک محاورہ ہے۔ یہ محاورہ اُردو میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ فلاں کو تو میری باتوں سے آگ لگ جاتی ہے یا پھر کہا جاتا ہے کہ فلاں کی حالت دیکھ کر تو اب میرا دل جلنے لگا ہے چنانچہ دل کا جلنا ایک قدیم محاورہ ہے جس سے عموماً ذہنی اذیت یعنی Anxiety ہی مراد لی جاتی ہے۔پس قرآن کا منشاء بھی یہی دل کا جلنا ہے۔علاوہ ازیں اگر ہم تطلع علی الافئدہ کے حقیقی معانی بھی مراد لیں تو بھی کوئی ابہام نہیں کہ آگ اُس وقت تک اپنا اثر نہیں دکھاتی جب تک کہ انسان کا دل اور دماغ جل کر راکھ نہیں ہو جاتے۔ بادی النظر میں دیکھا جائے تو اوّل الذکر تشریح زیادہ عام فہم ہے۔

☆☆☆☆☆

آیات ہشتم اور نہم کی تفسیر

سورہ الھمزہ کی آیت چہارم بقیا پانچ آیات کی تشریح ہے یعنی مذکورہ آیت میں اصطلاح حطمہ استعمال ہوئی ہے اور پھر باقی تمام آیات اِسی حطمہ کی وضاحت پر مبنی ہیں چنانچہ آٹھویں اور نوّیں آیات میں ذکر کیا گیا کہ یہ حطمہ مذکورہ جرائم کے حاملین کو ڈھانپ لے گی۔ڈھانپنے کے عمل کو صرف ایک لفظ مؤصدہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اِس سے مراد ایسے ہے کہ جیسے انسان شدید تھکاوٹ کے وقت اپنے اُوپر چادر اوڑھ کر لیٹ جاتا ہے۔پس حطمہ یعنی بھڑکتی ہوئی آگ بھی اِن مجرموں کو چادر کی طرح ڈھانپ لے گی۔

آخری آیات کے الفاظ عمد ممدّد دراصل محاورتاً ذکر ہوئے ہیں۔عمد اور ممدّد دونوں الفاظ ایک ہی مادہ یعنی Root Word سے ہیں اور دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔عمد جب ممدّد ہوا تو یہ مفعول یعنی Object بن گیا چنانچہ لفظ فی نے عمد اور ممدّد ایک ہی مادہ سے نکلے دو الفاظ میں ایک متضاد ربط پیدا کر دیا یعنی یہ مجرم لوگ عمد یعنی اُونچے ستون میں ممدّد ہو جائیں گے مطلب گھرے رہیں گے۔ممدّدہ معنیٰ کے لحاظ سے کوئی الگ لفظ نہیں بلکہ عمد کا مقفیٰ ہے جیسا کہ مذکورہ سورہ کی آیت سوم میں خُلد سے مقفیٰ اَخلدہ ہے۔پس یہی قرآن کا اَدبی اعجاز ہے جس کے بارے میں عرب شعراء اور حکماء کو چیلنج کیا گیا کہ اِس جیسی کوئی ایک سورت یعنی کم ازکم سہ جملہ نثر ہی لے آؤ۔سورہ الھمزہ کی تفسیر مکمل ہوئی۔

الحمد للہ ربّ العالمین علیٰ ھٰذہٖ النعمۃ

☆☆☆☆☆

سید المجاذیب خواجہ نعمان نیئر کلاچوی صوبہ خیبر پختونخواہ کی ایک دور اُفتادہ تحصیل کلاچی کے باسی ہیں۔ آپ ایک جامع العلوم شخصیت ہیں۔ آپ بیک وقت مذاہبِ عالم، علم الکلام وفلسفہ، شعر واَدب، صحافت وبلاغت، معاشرت وسیاست، نفسیات وروحانیات اور رقص وموسیقی پر گہری گرفت رکھتے ہیں۔ آپ ایک طویل عرصے سے مسلسل گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے ہیں اور دریں اثناء علمی وتحقیقی کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ماڈرن فلاسفی اور علمِ نفسیات پر آپ کا علمی کام اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں انٹرنیٹ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ چھ کتابوں "عشق کی سائنس"، "تصوف کی ڈکشنری"، "صراطِ دانش"، "سوزِ نہاں"، "قبیلہ نور احمد خیل" اور " Trek to Intellect " کے مصنف ہیں۔علاوہ ازیں دیگر کئی مقالات وعلمی شذرات کے بھی مؤلف ومصنف ہیں۔زیرِ نظر تالیف بھی آپ ہی کی علمی وتحقیقی جہد کا ماحصل ہے۔